قرنِ اوّل کے عزائم کی پکار

شاہ جی تھے قرنِ اول کے عزائم کی پکار
عصرِ حاضر میں اساطیرِ کہن کے پاسدار
اس گئے گزرے زمانے میں فقیرِ کج کلاہ
جاں نثارانِ شہِ کون و مکاں کی یادگار
کشتگانِ خنجرِ تسلیم کے میرِ سپاہ
غازیانِ سر بکف میں خوش نہاد و خوش وقار
خواجۂ گیہاں کے میخانے میں رندِ لم یزل
عرصۂ جنگاہ میں پیشینیوں کے رازدار
چال میں ان کی غزالہائے رواں کا زمزمہ
تال میں ان کی انیس و میر و غالب کا نکھار
ان کا اسلوبِ خطابت گویا شمشیرِ رواں
ان کا اندازِ سخن مانندِ موجِ آبشار
ان کے ہر نغمہ تکلم میں رجز کا ولولہ
دنگ رہ جاتے تھے سن کر طوطی و درّاج و سار
لالۂ و گل کی لہک سے تھی لب و لہجہ کی آب
کوثر و تسنیم کی موجیں طلاقت پر نثار
خواجۂ کونین کی اُن پہ رہی شورش نگاہ
رحمتِ باری سے بہرہ یاب ہے ان کا مزار!

شورش۔ کاشمیری

اک بار تو لوٹ آ کہ مصائب کا سماں ہے

دل درد میں ڈوبا ہے زباں نوحہ کناں ہے
ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں بخاری تو کہاں ہے
اے خطۂ فردوس کے راہی تو پلٹ آ
رحلت پہ تری غلغلۂ آہ و فغاں ہے
آواز تو دے خانہ خرابانِ وفا کو
اک بار تو لوٹ آ کہ مصائب کا سماں ہے
کس حال میں ہیں پیش رسانِ عدم آباد
معلوم تو ہو گا تجھے اب کون کہاں ہے؟
ہیں نوکِ زباں قاسمؒ[۱] و محمودؒ[۲] کی باتیں
ان میں بھی کبھی تذکرۂ ہم نفساں ہے؟
ہم نے تو جلائے ہیں چراغ اپنے لہو سے
لیکن یہ جہاں کار گہِ شیشہ گراں ہے
یہ کون اٹھا محفلِ ہستی سے عزیزو؟
خورشید جہاں تاب بھی خوننابہ فشاں ہے
"جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے"
کیا خوب! قیامت کا کوئی اور نشاں ہے
اس عقدۂ پرپیچ پہ مغموم ہوں شورش
کیا چیز یہاں کشمکشِ عمرِ رواں ہے

۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ ۲۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن